رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ - - - - - -
ششماہی - - - - - -

ہفتہ وار
مملکت

ایڈیٹر: میر حسن الدین
منیجنگ ایڈیٹر: سید عابد حسین

قیمت فی پرچہ (۲)

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ - - - - - -
ششماہی - - - - - -

قیمت پرانا پرچہ (۴)

جلد (۹)	۲۸ مہر ۱۳۵۸ف	۳ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ روز یکشنبہ	۲۸ اگست ۱۹۴۹ء	نمبر (۲۰)

اٹلی پر روس کے الزامات

از

ڈبلیو۔ این۔ ایور

سوویٹ حکومت نے اٹلی پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ اس نے معاہدہ امن کے خلاف ورزی کی ہے۔ برطانیہ فرانس اور امریکہ پر بھی الزامات لگائے گئے ہیں انھوں نے اس معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پیرس کی کانفرنس میں چار طاقتوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب اشتراک عمل کریں گی لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہو پایا۔

اگر مارشل اسٹالن اور موسیو واشنسکی کو اس بات کا یقین ہے کہ اٹلی نے واقعی معاہدہ امن کے خلاف ورزی کی ہے تو اس کے خلاف کاروائی کی جا سکتی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ معاہدہ کی دفعہ (۸۶) کے مطابق چاروں طاقتوں کے سفیر روم میں اس معاملہ کو زیر بحث لاتے اگر وہ کسی فیصلہ پر نہ پہونچ سکتے تو ادارہ متحدہ اقوام کا سیکریٹری جنرل ایک بے لاگ "یا غیر جانبدار" طاقت کو نامزد کر سکتا تھا۔

لیکن اس طریقہ پر بھی عمل نہیں کیا گیا اس کی جگہ روس نے یہ راہ اختیار کی کہ اس نے کھلم کھلا الزامات عائد کرنے شروع کر دئے۔ کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی طاقتیں خیال کرتی ہیں کہ بلغاریہ، رومانیہ اور ہنگری کی حکومتوں نے اپوزیشن پارٹیوں پر ظلم کر کے اور اپنی فوجی طاقت بڑھا کر امن کے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے انھوں نے تجویز پیش کی ہے کہ چار طاقتی مشنری کے ذریعہ جیسا کہ معاہدوں میں بتایا گیا ہے۔ معاملہ کو زیر بحث لایا جائے۔ لیکن روس نے اس بات سے صاف انکار کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس نے اٹلی کے معاملہ میں چار طاقتی مشنری کا طریقہ استعمال نہیں کیا۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سوویٹ حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کے الزامات صحیح ثابت نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے اٹلی پر پہلا الزام تو یہ لگایا ہے کہ وہ ایک ایسے جارحانہ فوجی معاہدہ میں شامل ہو گیا ہے جو سوویٹ یونین کے خلاف کیا گیا ہے۔ مارشل اسٹالن اور موسیو واشنسکی نے معاہدہ اٹلانٹک کا مطالعہ کر لیا ہی ہو گا۔ معاہدہ میں یہ بات صاف طور پر لکھ دی گئی ہے کہ معاہدہ میں شامل ہونے والی طاقتیں صرف حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں گی۔ روسی حکومت جانتی ہے کہ وہ یہ بات بالکل ثابت نہیں کر سکتی کہ اس معاہدہ کی نوعیت جارحانہ ہے۔ نہ ہی یہ ثابت کر سکتی ہے کہ یہ معاہدہ یونین کے خلاف کیا گیا ہے۔ یہ معاہدہ تو اس طاقت کے خلاف کیا گیا ہے جو حملہ کرے گی۔ اس معاہدہ کو جارحانہ کہہ کر کیا سوویٹ یہ بتانا چاہتی ہے کہ اس کے امکانات موجود ہیں کہ سوویٹ روس مغربی طاقتوں یا امریکہ پر حملہ کرے۔ اگر ایسی بات ہے تو مغربی طاقتیں اور امریکہ اٹلانٹک معاہدہ کرنے میں حق بجانب ہیں اور اٹلی نے اس معاہدہ میں شرکت کر کے ٹھیک قدم اٹھایا ہے۔ اگر یہ بات درست نہیں ہے تو روس اس معاہدہ سے ڈرتے کیوں ہیں؟

انھیں اٹلی اور ملک کی شرکت پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ اٹلی پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ اسلحہ کے متعلق امریکی امداد مانگ کر معاہدہ کی اس دفعہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے جو تخفیف اسلحہ کے متعلق ہے۔ اس مسئلہ کو چار طاقتوں کے سفیر آرام سے زیر بحث لا سکتے ہیں۔ لیکن مارشل اسٹالن اور موسیو واشنسکی خوب جانتے ہیں کہ الزام ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جانتے ہیں کہ امریکہ نے کانگریس مجلس قانون ساز کے سامنے وعدہ کیا ہے کہ اٹلی کو جو مدد دی جائیگی وہ کسی صورت میں بھی اس کے اسلحہ میں معاہدہ میں درج شدہ حدود سے زیادہ اضافہ نہیں کرے گی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سوویٹ روس کی شکایات اتنی اہم نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو سفارتی ذریعوں سے اس پر غور و فکر ہو سکتا تھا اور یہ تو ہر وقت ممکن ہے اور معاہدہ میں بھی یہ طریق کار صاف طور پر درج ہے۔ لیکن سوویٹ روس نے یہ طریقہ اختیار کرنے کی بجائے کھلم کھلا الزامات لگانے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس نے احتجاجی تحریریں بھیجی ہیں جن میں اشتعال انگیز الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پیرس کانفرنس میں چار طاقتی اشتراک عمل کا جو وعدہ ہوا تھا اس کا کیا بنا؟ پیرس کانفرنس کے ایک ماہ بعد ہی سوویٹ روس نے

(باقی ...)

ہفتہ وار

مملکت

۲۸ مہر ۱۳۵۸ ف

پبلک کارکنوں کا فرض

غذائی انضباطات کے سلسلہ میں اضلاع کے عہدہ داروں کی ایک کانفرنس گزشتہ ہفتہ منعقد ہوئی تھی جس کا افتتاح آنریبل مسٹر [illegible] نے فرمایا۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ کنٹرول کا مقصد یہ ہے کہ ہر شہری کو واجبی قیمت پر غذائی اجناس حاصل ہو سکیں۔ آپ نے کنٹرول کی تفصیلات پر بحث کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ کنٹرول کے احکام کی سختی سے پابندی کرائی جانی چاہیئے۔ [illegible] نے فرمایا۔

> یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سال چالیس لاکھ بلکہ پچاس لاکھ ٹن اناج درکار ہوگا مختلف اسباب کی بنا پر غلہ فراہم کرنے کی اسکیم پوری طرح اطمینان بخش نہیں رہی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اگر غلہ کے حصول کے انتظامات مکمل ہوں اور کنٹرول مستعدی کے ساتھ روبعمل لایا جائے تو خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکیں۔ اب بھی بڑے زمینداروں اور بیوپاریوں کے قبضہ میں اناج کے ذخیرے ہیں اور وہ انہیں اس وقت تک نکالنا نہیں چاہتے جب تک کہ ان کی بڑی بڑی قیمتیں حاصل نہ کر لیں۔ یہ بات تشویش ناک ہے کیونکہ پیداوار کا (۹۳) فی صد حصہ بڑے زمینداروں سے حاصل ہوتا ہے۔ پبلک اور ڈسٹرکٹ صاحبان کو چاہیئے کہ ذخیرہ بازی، چور بازاری اور خفیہ برآمدگی کے خلاف اپنی مہم میں کسی رعایت سے کام نہ لیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوش حال طبقہ ذخیرہ بازی اور چور بازاری کو جرم ہی تصور نہیں کرتے جب تک انہیں عبرت ناک سزائیں نہ دی جائیں گی وہ اس خلاف انسانیت جرم سے باز نہیں آئیں گے اور غذائی صورت حال سے نمٹنے میں بدستور دشواریاں باقی رہیں گی۔ یہ بھی دیکھا جانا چاہیئے کہ اکثر لوگوں کے پاس فرضی راشن کارڈ ہیں جن کے ذریعہ وہ اناج حاصل کرتے ہیں اگرچہ بہت سے فرضی راشن کارڈ پکڑے جا چکے ہیں ملک کے غذائی بحران سے نمٹنے کے لئے جہاں زیادہ غذا اگاؤ اسکیم کو کامیاب بنانا ہے وہاں غذا کو ضائع ہونے سے بچانا بھی ہے۔ ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ باوجود واقعی تشہیر کے ضیافتوں میں کمی نہیں ہو رہی ہے۔ از روئے قواعد ضیافتوں میں (۲۵) اشخاص مدعو کئے جا سکتے ہیں۔ ہماری یہ رائے ہے کہ ضیافتوں کو خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں خلاف قانون قرار دینا چاہیئے۔

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ عوام میں یہ احساس ابھی پیدا نہیں ہوا کہ غذائی بحران کے زمانہ میں غذا کے استعمال میں کافی احتیاط برتنی چاہیئے۔ یہ احساس ہمارے پبلک کارکن پیدا کرا سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے پبلک کارکن سیاسی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہمارے پبلک کارکنوں کو محسوس کرنا چاہیئے کہ انسان کی پہلی بنیادی ضرورت غذا ہے اور اس کے بعد سب کچھ۔ اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کے بعد سیاسی مشغلہ جتنا دلچسپ ہو سکتا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ سیاست سے تھوڑی دیر کے لئے ہٹ کر پہلے غذائی مسائل کی جانب ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔ غذائی مسائل کا حل صرف ارباب حکومت پر چھوڑ دینا مناسب نہیں اگر خدانخواستہ عوام فاقوں میں مبتلا ہو جائیں تو ہمارے لیڈروں کا سارا کھیل درہم برہم ہو جائے گا کیا ہم توقع رکھیں کہ ہمارے پبلک کارکن اپنے فرض کو محسوس کریں گے؟

ہندوستان کا معاشی بحران

آج کل ہندوستان ایک معاشی بحران سے گزر رہا ہے۔ اگر صورت حال کو بہتر بنانے کی کوشش نہیں کی گئی تو نتائج خطرناک پیدا ہو سکتے ہیں۔ انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کی مجلس عاملہ کے حالیہ اجلاس میں ملک کی موجودہ اقتصادی صورت حال پر غور و خوض کر کے جو فیصلہ کیا گیا ہے وہ قابل غور ہے۔ انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کے لیڈروں نے اپنی قرارداد میں رائے کا اظہار کیا ہے کہ ملک کی اقتصادی حالت اگر خراب ہوئی تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو اپنی خود غرضی پر قومی مفاد عوام کی خوش حالی کو قربان کر رہے ہیں۔ اس رائے کی صحت میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ سرمایہ پرستوں اور کارخانہ داروں کی ایک قلیل جماعت ساری سوسائٹی کو پریشان کر رہی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو اپنے ذاتی منافع کی خاطر غریب عوام کو مصیبت میں مبتلا کرنے میں تامل نہیں کرتی۔ ایک طرف تو یہ کارخانہ دار شور مچا رہے ہیں کہ کارخانوں میں تیار کردہ مال کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو گیا ہے کہ بہت سے کارخانوں کو بند کرنے کی نوبت آگئی ہے۔ اور دوسری طرف یہ حالت ہے کہ عوام اشیاء کی ناقابل برداشت گرانی کے بوجھ سے بے چارے ہیں۔ اس قسم کا انتظام عدم توازن شاید ہی کسی ملک میں رونما ہوا ہو۔ موجودہ اقتصادی صورت حال کی خرابی کی ذمہ داری اولاً سرمایہ پرستوں اور ثانیاً ذخیرہ بازوں اور نفع اندوزوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس طبقہ کو مطلق اس کی پرواہ نہیں کہ عوام پر کیا مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ حالات اب ایسے نازک دور میں پہنچ گئے ہیں کہ ارباب حل و عقد کو بہت زیادہ سرگرمی اور مستعدی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کی مجلس عاملہ نے جو تجاویز پیش کی ہیں ان پر فوراً عمل درآمد ہونا ضروری ہے سب سے پہلے خود غرض نفع اندوزوں کا قلع قمع ضروری ہے۔ اس کے لئے ایسے سخت قوانین نافذ کئے جائیں کہ چور بازاری اور ذخیرہ بازی ختم ہو جائے۔ تجربہ نے ثابت کر دیا ہے کہ نرم تعزیری قوانین کے لئے جرمانہ یا معمولی سی قید موثر نہیں ہو سکتی۔ محض قوانین کا نفاذ کافی نہیں ان کی تعمیل سختی اور مستعدی سے کرائی جانی چاہیئے جب تک ایسا نہ کیا جائے گا عوام کی فلاح و بہبود کی کوئی امید نہیں ہو سکتی ضروریات زندگی کی گرانی جس کی وجہ سے عوام خستہ حال ہو رہے ہیں اس کو دور کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول قائم کیا جائے اور اس کی سختی سے پابندی کرائی جائے اور اس کنٹرول کی خلاف ورزی کرنے والوں کو عبرت ناک سزا دی جائے

کیا تاج محل کو بھی ہندوستان سے جلاوطن کر دیا جائیگا

اگرچہ غلط فہمی عام طور پر پھیلی ہوئی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اردو کبھی مسلمانوں ہی کی زبان نہیں رہی اور نہ آج ہے۔ اور یہ زبان جو عام طور پر بولی جاتی ہے (خواہ اسے ہندی کہیے یا ہندوستانی یا اردو) دہلی، یو۔پی، مشرقی پنجاب اور راجپوتانہ اور سی۔پی کے بعض حصوں کے باشندوں کے لئے ایک ہی زبان ہے آج ہندوستان میں مسلمانوں سے کہیں بہت زیادہ ہندو اردو پڑھتے اور لکھتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان، بنگال اور بمبئی میں مسلمانوں کی بڑی اکثریت اردو نہیں جانتی اور مشرقی پنجاب کے ہندوؤں کی بڑی اکثریت صرف اردو جانتی ہے۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ زبان کے مسئلہ پر غور کرتے وقت فرقہ واری میلانات کو ذہن سے نکال دیا جائے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ فارسی اور سنسکرت اور مسلم ثقافت اور ہندو ثقافت کے باہمی تعامل سے کئی اقسام کے ثقافتی و لسانی امتزاجات پیدا ہوئے اور ان میں سے ایک امتزاج وہ زبان ہے جس کو ہندی، ہندوستانی یا اردو کے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے (اور ان ناموں کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس میں فارسی، عربی یا سنسکرت الفاظ کا تناسب کیا ہے۔)

آج یہ تحریک جاری ہے کہ اس زبان اور اس کے ادب سے بے تعلقی برتی جائے حالانکہ یہ زبان اور یہ ادب سینکڑوں ہندو اور مسلمان اور سکھ اہل قلم اور شاعروں مثلاً غالب، رتن ناتھ سرشار، اقبال، چکبست، اکبر وغیرہ وغیرہ کا ترکہ ہے۔ اب اچانک ہم سے یہ باور کرانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ یہ زبان جس نے ہندوستان میں جنم لیا اور نشو و نما پائی اور جو بجز پاکستان کے جو ہندی کا غیر ملکی دنیا کر سی (?) اور ملک میں بولی یا سمجھی نہیں جاتی۔ ہندوستان کی زبان نہیں ہے اور یہ کہ اس کا ادب ہمارا اثاثہ نہیں ہے۔ اس زبان کو اجنبی اور غیر ہندوستانی قرار دے کر اسے عاق کر دیا جائے گا، ترک کر دیا جائے گا، ٹھکرا دیا جائے گا جیسا کہ یو۔پی میں کیا جا چکا ہے۔

یہ ایسا ہی مجنونانہ فعل اور خودکشی کا فعل ہوگا جیسا کہ تاج محل کو ڈھا کر اسے پاکستان روانہ کر دینا کہ اس کی تعمیر میں بھی ہندو فن تعمیر اور مسلم فن تعمیر کا امتزاج ہے۔

نہ صرف اردو رسم خط، زبان اور ادب کو راتوں رات ترک کر دیا جائے گا بلکہ ایک ایسی جامعیت کے ساتھ جو آمریت کا خاصہ ہے۔ شمالی ہندوستان کی مشترکہ زبان سے (جسے اب قومی زبان کا مرتبہ دیا جائیگا) وہ تمام اردو الفاظ نکال دیئے جائیں گے جو فارسی اور عربی سے آئے ہیں یہی نہیں بلکہ سنسکرت کے ان الفاظ کو بھی خارج کر دیا جائے گا جو عام بول چال میں صرف ہو گئے ہیں۔ اور ان کے بجائے خالص، علمی اور اصل سنسکرت الفاظ داخل کئے جائیں گے۔ ریل، ریڈیو، اسٹیشن، موٹر وغیرہ جیسے عام فہم الفاظ کو بھی "ہندوستان چھوڑ دو" کہا جائے گا اور ان کی جگہ پر فیکٹریوں کے ڈھالے ہوئے ثقیل الفاظ استعمال کئے جائیں گے۔

اس طرح اس قدرتی عمل ارتقا کو کہ زبان عام بول چال سے ترقی کرتی ہے الٹ دیا جائے گا اور ایک مصنوعی منطق مسلط کر دی جائے گی۔ (خواجہ احمد عباس)

غیر اطمینان بخش حالات میں کمیونزم کو پھیلنے کا موقع مل سکتا ہے

واشنگٹن ۲۳ اگست۔ ہندوستانی سفیر متعینہ امریکہ مسز وجے لکشمی پنڈت کا خیال ہے کہ پسماندہ ملکوں کا معیار زندگی بڑھانے کے سلسلہ میں مسٹر ٹرومن کا چار نقاطی منصوبہ ایشیا میں کمیونزم کے مقابلہ کے لئے بے حد کارگر ثابت ہوگا۔

راجہ صاحب کا کولمبیا کے عنوان سے نشر گاہ کولمبیا سے ہر ہفتہ ایک سلسلۂ پروگرام نشر ہوتا ہے جس میں ممتاز ہستیوں سے مختلف سوالات کئے جا کر ان کے خیالات معلوم کئے جاتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک نشری محفل میں مسز وجے لکشمی پنڈت نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بتلایا کہ جب تک ایشیا میں غیر اطمینان بخش حالات باقی رہیں گے اس وقت تک کمیونزم کو پھیلنے پھولنے کا پورا پورا موقع مل سکتا ہے اور ان ہی حالات کے مدنظر صدر ٹرومن کے چار نقاطی ایشیا کے لئے بڑی دلکشی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

تین مختلف نامہ نگاروں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے بتلایا کہ خود ہندوستان میں بھی جہاں اس وقت ایک قوی اور مستحکم حکومت قائم ہے یہ حالات پوری طرح رونما ہونے لگے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ ہمیں عجلت کے ساتھ اپنی کارکردگی بڑھانا اور عوام کے لئے بہتر غذا اور مناسب سہولتوں کی فراہمی کے علاوہ ان امور کو بھی تکمیل دینا ہوگا جس کی خاطر عوام نے جنگ آزادی میں پوری پوری مستعدی سے حصہ لیا تھا۔ ورنہ پھر ہندوستان کا بھی انتہائی خطرناک حالات سے دوچار ہونا ناگزیر ہے۔ چونکہ کمیونزم کی نشوونما ایسے ہی غیر یقینی حالات میں ہوتی ہے اور آج چین میں بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ ان تینوں نامہ نگاروں میں گرونگ ڈاکرافٹ، پارلس کالنگ ووڈ اور اسٹیفن بری جیسی مشہور ہستیاں شامل ہیں۔ انہوں نے موصوفہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے بتلایا کہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں پنڈت نہرو اور مسز پنڈت برابر کے شریک ہیں۔

جب موصوفہ سے سوال کیا گیا کہ کیا ایشیا کی کسی وفاقی تحریک میں ہندوستان ایک قائد کی حیثیت سے حصہ لینے کا متمنی ہے تو انہوں نے کہا کہ ہندوستان کی کوئی ایسی خواہش یا تمنا نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان محض ایک ساتھی مدد دینے والے کی حیثیت سے شرکت کرنا چاہتا ہے۔ تاہم چین کی موجودہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہندوستان پر کافی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

انڈونیشیا سے متعلق ہندوستان کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے مسز پنڈت نے کہا ہماری جدوجہد آزادی کی ساری اساس یہی تھی کہ دوسرے تمام محکوم ممالک بھی جلد از جلد محکومی کا طوق نکال پھینکیں۔ ہمارا ایقان ہے کہ کیمونزم یا کسی ایسی ہی رجعت پسند تحریک کے مقابلہ کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ عوام کو جلد از جلد آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کے سلسلے میں ضروری امداد بہم پہنچائیں۔" (اے۔ پی۔ انڈیا)

ڈاکٹر رادھا کرشنن ہندوستانی وفد کی قیادت کریں گے

نئی دہلی ۲۲ اگست۔ ڈاکٹر ایس۔ رادھا کرشنن منتخب ہندوستانی روس میں سفیر اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنٹفک اور ثقافتی ادارہ کی اس چوتھی عام کانفرنس میں شریک ہونے والے ہندوستانی وفد کی قیادت کریں گے جو پیرس میں ۱۹ ستمبر کو شروع ہو رہی ہے۔ یہ اعلان آج وزارت تعلیمات کی جانب سے کیا گیا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۸)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید :-

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۰ اگست کو کانگریس پارٹی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستانی کو دیوناگری رسم الخط میں سرکاری زبان بنانے کے ساتھ ساتھ اردو کی ثانوی حیثیت کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔ اس تقریر کی جو رپورٹ پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی جانب سے شائع کرائی گئی ہے اس میں انتہائی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے حالانکہ مولانا نے مشورہ دیا کہ اس مسئلہ پر مخالفت و دشمنی کی اسپرٹ میں نہ سوچیں۔

قاضی عبدالغفار صاحب نے ایک جدید معاصر کو اپنا پیام روانہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:-

حیدرآباد میں شخصی اور درباری حکومت کی وجہ سے خوشامد اور سفارش ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اس زمین دوز ذہنیت سے میں پندرہ سال (۱۹۳۰ء) لڑتا رہا اور خدا کرے کہ تم بھی اس جنگ کو جاری رکھو۔

درباری ذہنیت سے لڑتے رہے اور درباریوں سے دوستی بڑھاتے رہے۔ قاضی صاحب کی حقیقت پسندی کے سب معترف ہیں۔

راجستھان کے وزیر تعلیمات نے طلبہ کو مشورہ دیا کہ:-

طالب علم سیاسیات سے الگ رہکر کردار کی تعمیر پر دھیان دیں۔

پھر اس دور جدید میں طلبہ کے لئے تفریح کا مشغلہ کیا باقی رہ جاتا ہے؟

برما پھر دولت مشترکہ میں شریک ہوگا۔ (اخباری سرخی)

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے!!

وزیراعظم ہند پنڈت نہرو نے ایک صحافتی بیان میں فرمایا کہ:-

راشٹریہ سیوک سنگھ پر ہم اعتماد نہیں کرتے اور ہم ان کی سرگرمیوں پر کڑی نگرانی رکھیں گے۔

مگر راشٹریہ سیوک سنگھ بیٹھ کر بجا کام کرتا ہے۔

معاصر "رہنما" ہفتہ وار لکھتا ہے کہ:-

ایک بات جو ہمیں خاص طور پر قابل افسوس نظر آئی وہ یہ تھی کہ حیدرآباد کے مسلمانوں کی اکثریت نے اس دن ---- یوم آزادی میں ---- حصہ نہیں لیا.... پولیس ایکشن کو گیارہ ماہ کا عرصہ گزر گیا لیکن مسلم قائدین نے مسلمانوں کی ذہنیت بدلنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

نیز مولوی ابوالحسن سید علی اور مسٹر باقر علی مرزا پر اس طرح کا اہتمام پسند نہیں مسلمانوں پر معاصر "رہنما" کی مسلسل توجہ دیکھ کر ایک صاحب کہنے لگے۔

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہے تو یہ بھی نہ سہی

معاصر "سیاست" تحریر کرتا ہے کہ:-

ستمبر کے فوری اور ہیجانی انقلاب سے ملک کی اقلیتیں جس بری طرح سہمی ہوئی تھیں اور خوف و ہراس میں ڈوبی ہوئی تھیں وہ انقلاب کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔

شکر ہے کہ اقلیت صرف سہمی ہوئی اور خوف و ہراس میں ڈوبی ہوئی تھی مگر ہر قسم کی جانی و مالی نقصان سے محفوظ رہی۔ انقلاب زندہ باد!!

اخبارات میں یہ اطلاع شائع ہوئی تھی کہ:-

ورنگل ہندی اسکول میں راشٹریہ سیوک سنگھ کے جنرل آرگنائزر مسٹر وائی جوشی مقامی شاخ کی سرپرستی میں تقریر کریں گے۔

ظاہر ہے کہ اس جلسہ میں فرقہ واریت کے خلاف تقریریں ہوئی ہوں گی۔

صدر آل انڈیا مہاسبھا نے فرمایا کہ:-

ہندو مہاسبھا نے کبھی فرقہ واری احساس پر کسی مسئلہ پر غور نہیں کیا بلکہ اکثریتی فرقہ کے رجحانات کے مدنظر ان کے حقوق کی حفاظت لازمی ہو جاتی ہے۔

تو گویا صرف اقلیتی فرقہ کے مفاد پر غور کرنا فرقہ پرستی ہے؟

"نادرن ہیرلڈ" نے معتمد سوشلسٹ پارٹی ٹانڈور کی یہ اطلاع شائع کرائی ہے کہ:-

۱۵ اگست کو گاندھی جی کے مجسمہ کا جلوس نکالا گیا جس میں مقامی کانگریسی کارکن بھی شریک تھے۔ جلوس جامع مسجد کے سامنے باجہ نوازی کے ساتھ نکالا گیا۔ نماز کے وقت اقلیتی فرقہ میں بے چینی پھیلی۔

اچھا ہوا کہ یہ خبر معاصر "مشیر دکن" تک نہ پہونچ سکی۔

وزیر صحت حکومت ہند راجکماری امرت کور نے بمبئی کے ایک زنانہ کالج میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا "مجھے دکھ ہوتا ہے جب میں ہماری نوجوان لڑکیوں کو جنگ کے گھناؤنے ہتھیار استعمال کرنے کی تربیت پاتے دیکھتی ہوں۔"

ترقی پسند نوجوان کیوں خاموش ہیں؟

ہندوستان کی تعلیمی ترقی

آزادی کے بعد

آزادی کے بعد ملک پر جن ذمہ داریوں کا بوجھ پڑا ان میں شاید سب سے زیادہ مقدم ذمہ داری ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو تعلیم پہنچانے کی تھی ۔ آزادی سے قبل ہندوستان میں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد آبادی کا پندرہ فی صدی بھی نہیں تھی ، اور اس پر طرہ یہ کہ ملک کو زبردست افلاس کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔ چنانچہ حکومت ہند نے سب بچوں کے لئے جن کی عمر اسکول جانے کے قابل ہو لازمی تعلیم کے مسئلے پر غور کیا ۔ بچوں کی تعلیم ملک کے مستقبل کے لئے ضروری ہے تو اس کے بالغوں کی تعلیم ایک نئی جمہوریت کے استحکام و استقلال کے لئے لازمی ہے ۔

حکومت ہند کے محکمۂ تعلیم کے ماہروں نے نہایت غور و خوض کے بعد اس سال تعلیم کے لئے ایک ایسے منصوبے کا خاکہ تیار کیا جو آزاد اور جمہوری ہندوستان کی ضروریات کے مطابق ہو ۔ لیکن سماجی بنیادی اور سکنڈری ٹیکنیکل اور دیگر قسم کی تعلیم کی اسکیمیں تیار ہو گئیں تو روپے کا سوال پیدا ہوا ۔ چنانچہ بمبئی کے وزیر اعظم اور وزیر تعلیم شری بی جی کھیر کی صدارت میں ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جسے بنیادی تعلیم کے اخراجات کے متعلق غور و خوض کرنے کا کام تفویض کیا گیا ۔ اس کمیٹی نے یہ سفارش کی کہ بنیادی تعلیم کی اسکیم کو پانچ پانچ سال کے دو دوروں اور بعد میں ایک چھ سال کے دور میں تقسیم کر دیا جائے ۔ کمیٹی نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ اس اسکیم کے اخراجات کا ستر فیصدی صوبائی حکومتیں برداشت کریں اور بقیہ تیس فیصدی مرکزی حکومت ادا کرے ۔ اگلے پانچ سال میں بارہ سے چالیس سال کی عمر کے لوگوں کی نصف تعداد کے لوگوں کو سماجی تعلیم دینے کی بھی ایک اسکیم منظور کی گئی ہے ۔ اس کا نصف خرچ مرکزی حکومت اور نصف صوبائی حکومتیں برداشت کریں گی ۔

لیکن ۱۹۴۹ء کی آخری ششماہی میں ملک کی اقتصادی حالت کے خراب ہو جانے کی وجہ سے ان اسکیموں میں کچھ رد و بدل کرنا پڑا پھر بھی موجودہ حالت اس حالت سے بہت بہتر ہے جو آزادی سے پہلے تھی ۔ آزادی سے پہلے تعلیم کا مرکزی بجٹ دو کروڑ روپے کا بھی نہ تھا اس کے مقابلہ میں ۵۳-۱۹۵۲ء کا مرکزی تعلیم کا بجٹ پانچ کروڑ روپے ہے ۔ صوبائی حکومتوں کے بجٹ بھی اس طرح سے بڑھ گئے ہیں ۔ استادوں کی بنیادی تعلیم کی تربیت دینے کے لئے صوبوں کو پچاس لاکھ روپے کی امداد دی جائیگی ۔ سماجی تعلیم کے لئے صوبوں کو ایک کروڑ روپے مزید دیا جائے گا ۔ سال زیر تبصرہ میں بنیادی تعلیم اور سماجی تعلیم دونوں کا حلقہ ان صوبوں میں جن کا انتظام مرکز کے ماتحت ہے کافی وسیع ہوا ہے ۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ بنیادی اور سماجی تعلیم کے پروگراموں کا افتتاح صوبہ دہلی سے کیا اس سے جو تجربہ حاصل ہوگا وہ دوسرے صوبوں کے لئے قابل تقلید مثال ہوگا ۔ چنانچہ دہلی صوبہ کے پرانے دیہاتی مدرسوں کو بنیادی مدرسوں میں تبدیل کرنے کا انتظام کیا گیا ۔ تربیت یافتہ استادوں کی قلت کو دور کرنے کے لئے مغربی پنجاب کے شرنارتھی استادوں کو جامعہ ملیہ دہلی میں ایک مختصر سی تربیت دینے کا بھی فیصلہ کیا گیا ۔ دہلی میں عورتوں کے لئے اور اجمیر میں مردوں کے لئے ایک ایک ادارہ کھولا گیا ۔ امید ہے کہ سال رواں کے آخر تک سارا دہلی اس انتظام کے ماتحت آجائیگا ۔ اجمیر میں بھی ایسا ہی انتظام کیا گیا ہے ۔ کورگ ، بلاسپور اور کچھ کے لئے اسکیمیں تیار ہو رہی ہیں ۔

دہلی میں سماجی تعلیم کا کام بھی شروع ہو گیا ہے ۔ سنجوت گڑھ میں تین ہفتے کے لئے کیمپ کھولا گیا اس میں ۲۰۵ رضا کاروں کو تربیت دی گئی ۔ اب ان رضا کاروں کو ۲۰۵ گاؤں میں متعین کیا گیا ہے ۔ تجویز یہ ہے کہ چار پانچ سال میں دہلی کے سارے تین سو گاؤں میں سماجی تعلیم کا انتظام کر دیا جائے ۔ تعلیمی میلوں کا بھی انتظام کیا گیا جن میں گاؤں والوں نے ۱۰ ہزار کے دیکھے اور مقامی صنعتوں کی نمائش کی ۔

آسام کے تیس علاقوں میں لازمی تعلیم کا نفاذ کر دیا گیا ہے کہ صوبے کے کل بچوں کا پانچواں حصہ جو کہ اسکول جانے کی عمر کا ہے لازمی تعلیم حاصل کرے گا ۔ اس اسکیم کے ماتحت ایک ہزار ایک سو پچاس مدرسے آتے ہیں ۔ یہاں کے قبائلی علاقوں کا نہ کوئی رسم الخط ہے نہ کوئی ترقی یافتہ زبان چنانچہ ان کے لئے ایک سادہ و آسان سا رسم الخط مقرر کیا گیا ہے ۔ اس علاقہ میں پچاس مدرسے قائم کئے جائیں گے ۔ اڑیسہ میں بنیادی تعلیم کے چھ مرکز بھی کھولے گئے ہیں ۔ تربیت کے مرکزوں کے علاوہ کی تربیت کے لئے کرالی میں کالج کھولنے کی تجویز ہے ۔

بنیادی طرز کی لازمی تعلیم ۳۶ گاؤں میں شروع کی گئی ہے ۔ سنہ ۵۲-۱۹۵۱ء میں پرائمری اسکولوں کی تعداد بیس ہزار دو سو ساٹھ سے بیس ہزار آٹھ سو پچاس ہو گئی ۔ یہاں پہلے تین تربیت کے ادارے تھے ۱۹۵۲ء میں ایک اور ادارہ کھولا گیا ۔

اس سال اپریل سے ۱۹۵۲ء کا پرائمری تعلیم کا قانون نافذ کر دیا گیا ہے ۔ ۴۰۰ مدرسوں کو ابتدائی تعلیم کے سینئر اور جونیئر مدرسوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے ۔ تجویز یہ ہے کہ صوبے کے کل ۲۲ ہزار مدرسوں کو ابتدائی تعلیم کے مدرسوں میں تبدیل کر دیا جائے ۔

یہاں تین ٹریننگ کالج پہلے تھے اب تین نئے ٹریننگ کالج قائم کئے گئے ہیں صوبے کے سارے اضلاع میں کاتنے اور بننے کی تربیت کا بھی انتظام کیا گیا ہے ۔ سماجی تعلیم کے لئے بمبئی کے ۱۰ علاقوں کو منتخب کیا گیا ہے ۔ حکومت نے ۴۰ مڈل اسکول میونسپل انتظام سے لے لئے ہیں اور اب انہیں رفتہ رفتہ بنیادی مدرسوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے اور اس صوبہ میں زیادہ توجہ تعلیم بالغاں پر دی گئی ہے ۔ چنانچہ زیر تبصرہ سال میں چار سو اکاون تعلیمی کیمپ کھولے گئے جن میں اکتالیس ہزار دو سو چھتر مردوں اور بیس ہزار نو سو چھبیس عورتوں کو سماجی تعلیم دی گئی ۔ صوبائی حکومت نے ایک ہزار گاؤں میں ریڈیو لگانے کا بھی بندوبست کیا ہے ۔ یہ صوبہ تقسیم ملک کے اثرات سے ابھی پوری طرح نہیں بچا پھر بھی تعلیمی ترقی کا کام شروع کر دیا گیا ہے ۔ صوبہ مدراس میں ستر لاکھ ایسے بچے ہیں جن کی عمر اسکول جانے کی ہے ان میں سے نصف ابتدائی مدرسوں میں جاتے ہیں باقی ۲۵ ہزار بچے پانچ پانچ سال کی دو اسکیموں کے ماتحت لازمی تعلیم حاصل کرنے لگیں گے ۔ حکومت کی تجویز یہ ہے کہ سارے صوبہ میں لازمی تعلیم جاری کرا دی جائے ۔ تعلیم بالغاں کے لئے چھ دیہاتی کالج اور ایک سو اسکول برائے تعلیم نسواں کھولے جانے کی اسکیم کی منظوری دی جا چکی ہے ۔ چھ تربیتی مرکز بھی کھولے گئے ہیں اس سال استادوں کی تربیت کے لئے سات ادارے کھولے گئے ہیں ۔

ہندوستان کے اہم مسائل

اچاریہ نریندر دیو کے قلم سے

ہندوستانی آئین کا آغاز اس بیان سے ہوتا ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری اور غیر مذہبی اسٹیٹ ہے ہم سب جانتے ہیں کہ جمہوریت اور غیر مذہبیت سائنس، استدلال اور روشن خیال کے زمانہ کی پیداوار ہیں لہٰذا یہ امر قرین عقل ہے کہ یہ دونوں تصورات ہندوستان کی سرزمین میں تبھی جڑ پکڑ سکتے ہیں اور نشو ونما پا کر پروان چڑھ سکتے ہیں کہ ان کے لئے خیالات اور جذبات کی موافق آب وہوا اور غذا موجود ہو جمہوریت کا انحصار روایات اور عادات پر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندے جمہوری قسم کے لوگ نہیں ہیں اس لئے ہمیں پرانی عادات اور نظریوں کے بدلنے اور نیا طرز عمل قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کی تکمیل آہستہ آہستہ ہی مشکل سے ہوگی۔ ہماری اُنگلیاں اور آزادی کی جدوجہد ہی آج جمہوری طرز زندگی سے بہرہ یاب کر سکے گی۔ ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ مذہبیت کا زہر ہمارے ملک کے رگ وریشے میں سرایت کر چکا ہے ہمیں اسے مذہبیت کے جذبات کو غیر مذہبیت میں تبدیل کرنا پڑے گا۔ ملک کے موجودہ حالات میں اس دوسرے کام کی تکمیل کچھ مشکل سی ہو گئی ہے مذہبی بنا پر ملک کی تقسیم سے دونوں طرف مذہبی نفرت نے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی جذباتی اور عقلی فضا بدل چکی ہے اجتماعی طور پر قدیم یونانیوں جیسی حقیر فرقہ وارانہ پرستش گاہیں ان میں یونانی شراب پی کر ورنا کے دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں آج قائم ہو گئیں دوران میں قتل وغارت آتش زنی عصمت دری اور اغوا کے دیوتاؤں پر چڑھاوے چڑھائے گئے اب یہ حالت ہے کہ ہندوستانی قوم کے تمام جذبات اور خیالات پر فرقہ پرستی کے جذبات اور خیالات غالب زندگی کا اور ہے کا توازن ہی بگڑ چکا ہے اور ہماری روحانی اور عقلی زندگی مشکل پیچ میں پڑ گئی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری سیاسی عقل بگڑ گئی ہے اور ہمارے فیاضانہ رجحانات کمزور ہو چکے ہیں۔ ہماری اخلاقی قدریں مکمل طور بدل گئی ہیں اور ہم ہر ایک مسئلہ کو ایک ہی مذہبی فرقہ کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ فرقہ پرستی قبائلی طرز تمدن ہی تو ہے اور اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم نے نیشنلزم (قوم پرستی) کو ترک کر دیا ہے۔

ایک وقت یہ خیال عام تھا کہ جب امن وامان ہو جائے گا اور حالات معمول پر آ جائیں گے تو قوم اپنا کھویا ہوا توازن جلدی حاصل کر لے گی اور قومیت کے ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کی آرزوؤں میں سرگرمی دکھائے گی جنہوں نے جدوجہد آزادی کے دور میں ہمارے ارادوں میں روح پھونک دی تھی۔ لیکن جب ظاہرا حالات بہتر بھی ہو گئے تو کشمیر اور حیدرآباد کے مسائل سامنے آ کھڑے ہوئے اور فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانے لگے۔ قوم پرستانہ زندگی بدستور خطرہ میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کشمیر کے مسائل حل نہیں ہو جاتے قوم کی اخلاقی صحت خطرے میں رہے گی۔ لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ ان دونوں امور کا فیصلہ جلد ہو جائے لیکن ایک اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جنہیں سیاسی زندگی میں برتری حاصل ہے بہ رنگت اور وقت کا خیال نہیں رکھتے اور فرقہ پرستی کو دور کرنے کے بجائے قومیت کے کام کو مشکل بنا دیتے ہیں وہ عوام میں ایسے اعلان اور اس قسم کا پروپگنڈا کرتے ہیں جس سے رجعت پسند اور مذہبی طاقتوں کو تقویت ملتی ہے۔ اور یہ طاقتیں ہمیں ان قدروں کو اپنانے سے روکتی ہیں جن پر آج کی دنیا میں قومیت کی بقا کا دارومدار ہے۔ یہ لوگ اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے عوام کے روایتی عقائد جذبات اور تعصبات سے اپیل کرتے ہیں اور انہیں روشنی دینے کے بجائے تاریکی میں بھٹکاتے ہیں وہ سیاسی انتخابات میں ہر قسم کے غیر متعلقہ باتوں کو لے آتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ انتخابات کا تعلیمی پہلو ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ انتخابات کا زمانہ ہی ایک ایسا دور ہوتا ہے جب ہم اونچے درجے کے سیاسی مباحث چھیڑ کر بحث کرتے سیاسی تعلیم دے سکتے ہیں اس دوران میں لوگوں کی مذہبی جذبات کو غیر مذہبی جذبات میں بدلا جا سکتا ہے اور سوشل اور سیاسی خیالات میں ان کی دلچسپی کو ابھارا جا سکتا ہے لیکن ہمارے سیاسی رہنما جس طریق سے منافقیت کا مظاہرہ دکھاتے ہیں۔ اس کے صرف جادوگری اور ضعیف الاعتقادی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے جب ایک لیڈر رائے دہندگان سے کہتا ہے کہ فلاں امیدوار کے حق میں ووٹ نہ دو ورنہ تم پر اللہ کا قہر نازل ہوگا تو گویا وہ اللہ کی مرضی کو خود اللہ سے بھی بہتر جاننے کا اظہار کرتا ہے کہ یہ بات کس قدر خلاف عقل وقیاس ہے۔ لیکن جو بھی سادہ اور زود اعتقاد لوگوں کے دل میں جو اپنے پنڈت کا احترام کرتے ہیں ایک ساتھ ہی خوف اور خوشی بھر دیا جاتا ہے۔

ہندوستانی تہذیب میں بہت سا مواد ایسا ہے جو بلاشبہ تحسین اور قابل فخر ہے لیکن سب کچھ جسے ہم روایتی تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ تو وہ لائق تعریف ہے اور نہ ایسا ہے جس کی حفاظت کی جائے ناکارہ اصول دقیانوسی سوشل قواعد اور متروکہ خیالات سے ہمیں نقصان ہی کا خدشہ ہے جو ہمارے روایتی خیالات کا ایک حصہ ایسا ہے جو بدلتے حالات سے ہمیں آج در پیش ہے مطابقت نہیں رکھتا ہمیں چاہئے کہ اسے ترک کر دیں۔ محتاط چھان بین سے ہمیں ان اجزاء کو جو زندہ ہیں وہ ہمارے موجودہ مسائل کے حل کرنے میں مدد دے سکتے ہیں چن لینا چاہئے لیکن جب کوئی سیاسی لیڈر ہندوستانی تہذیب کا نام لے کر یہ جتلائے کہ [illegible] تہذیب سے کیا چیز اپنے رائے دہندگان سے اپیل کرتا ہے تو یہ لازم ہے کہ رائے دہندگان بھی سمجھیں کہ ان کی روایتی عقائد رسوم اور تعصبات سے جو انہیں عزیز اور لائق احترام ہیں اپیل کی جا رہی ہے اپنے حریف کو ذلیل کرنے کے لئے اکثر ایسا ہی کیا جاتا ہے اسے ہر کا نام دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے تہذیب اور تمدن کی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس قسم کی اپیلیں رجعت پسندانہ بن جاتی ہیں اور غیر مذہبی اور جمہوری اسٹیٹ کے مقاصد میں امداد نہیں دے سکتیں ایک بڑے لیڈر کا کہنا ہے کہ "خدا پر یقین ہندوستانی تہذیب کا مرکزی حصہ ہے" اس بیان کی صداقت پر کہ خدا کی ہستی پر یقین لائے بغیر بھی روحانی زندگی ممکن ہے بہت لوگ شک کریں گے لیکن ہندوستان کی نسبت میں یہ بات غلط نہیں اور یہاں خدا پر یقین لائے بغیر روحانی زندگی ممکن ہے کیونکہ ایسا یقین ہندوستانی تہذیب کا ضروری حصہ نہیں ہے اس سرزمین پر کئی ایسے مذاہب پیدا ہوئے ہیں جن کے پیشواؤں نے اپنے پیروؤں سے خدا کی ہستی میں یقین رکھنے کا مطالبہ نہیں کیا ہندوستانی تہذیب کا اصل جوہر اور اس کی روح دل کچھ اور ہے اور یہ کائنات کا اخلاقی نظام ہے اس پر بحث کا یہ موقع نہیں۔ لیکن درست پوزیشن کا بیان کرنا بھی ضروری تھا۔ ورنہ ہندوستانی تہذیب کو مذہبی خیال کئے جانے کی تہذیب سے الگ نہیں رہ سکتی۔ اس کے اہم ترین فرائض میں مذہب بھی شامل ہے کہ اپنے تمدن کو دوسری قوموں میں پھیلائے اور میوزیم اور سٹیروں کے ذریعہ اسے اپنی آئندہ نسلوں تک پہنچائے۔

تنازعہ کشمیر کے حل میں تعطل

ایک سکیس ۲۱ اگست۔ کشمیر کے معاملات سے گہری تعلق رکھنے والے متعدد ذرائع کے افسران و سیاست دانوں کو آج بڑی مایوسی ہوئی جبکہ انھوں نے یہ دیکھا کہ ۲۲ اگست کو کشمیر کے مسئلہ پر بحث و گفتگو کے لئے ہندو پاکستان کے نمائندوں کی جو کانفرنس طلب کی جا رہی تھی وہ اب منسوخ کر دی گئی۔ اجلاس کی اس منسوخی کے جو اسباب بیان کئے گئے ہیں وہ بہت ہی متحیر ہیں۔ اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ کانفرنس کو منسوخ کرنے کا یہ فیصلہ خود کشمیر کمیشن نے عمل کر کے کیا ہے۔

سمجھوتہ کی جو توقعات پیدا ہو گئی تھیں اس کے ختم ہو جانے کی صرف اسی ایک وجہ کا یہاں علم ہو سکا ہے کہ شرائط صلح کو روبہ عمل لانے کے طریقوں کے بارے میں ہندوستان اور پاکستان کے نقطہ نظر سے واقف ہونے کے بعد کشمیر کمیشن نے یہ محسوس کیا کہ فریقین سمجھوتہ کے تعلق سے ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ صیانتی مجلس کی کارروائیوں کا محکمہ اور کشمیر کے ناظم استصواب عامہ ایڈمرل چسٹر ڈبلیو نمٹز کا دفتر کشمیر کمیشن کی رپورٹ کا انتظار کر رہا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کمیشن نے شرائط صلح سے متعلق ۲۸ اپریل کو جو مکتوب روانہ کیا تھا ہندوستان اور پاکستان کی جانب سے اس کے جوابات ۲۸ مئی میں وصول ہوئے۔ کمیشن نے ان دونوں فریقین کے جوابات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد ان نقاط کو علیحدہ کر دیا کہ جن پر سمجھوتہ ہو گیا تھا اور بعض نقاط مجوزہ مشترکہ کانفرنس کے ایجنڈے میں شریک کر دئے گئے اور یہ وہی نقاط ہیں جن پر دونوں میں اختلافات تھے اور جن پر سمجھوتہ نہیں ہوا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ جب کمیشن نے اپنے ۹ اگست کے جس مکتوب کے ذریعہ مشترکہ اجلاس میں شرکت کے لئے ہندوستان اور پاکستان کو دعوت دی تو اس میں دونوں حکومتوں کی خواہش پر کمیشن کے ۲۸ اپریل کے شرائط صلح کے بارے میں ہندوستان ان کے نقاط نظر کو مختصر بیان کر دیا گیا تھا۔ کمیشن نے مذکورہ مشترکہ اجلاس کے لئے ایجنڈے میں جو امور شامل کئے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ریاست جموں و کشمیر سے پاکستان کی مسلح افواج کا تخلیہ۔ (۲) ریاست جموں و کشمیر سے ان پاکستانی قبائلیوں کا تخلیہ کہ جو یہاں عام طور پر سکونت اختیار نہیں کرتے ہیں۔ (۳) ریاست جموں و کشمیر سے ہندوستان کی مسلح افواج کے ایک بڑے حصہ کا تخلیہ۔ (۴) استصواب عامہ کشمیر کے ناظم استصواب عامہ ایڈمرل نمٹز کا تقرر۔

جس نے گزشتہ ہفتے یہ کہا تھا کہ کشمیر کمیشن کی کامیاب مساعی ان کی ہمت افزائی کریں گے اور یہ کہ وہ وہیں سے

بہت مسرور ہیں۔ اب اُن لوگوں میں ان کا شمار ہے کہ جو اس غیر متوقع پیش رفت سے مدد وجہ مایوس ہو گئے ہیں۔ یونیس پرسٹ آف انڈیا کے نامہ نگار سے انھوں نے کہا کہ سری نگر سے جو اطلاع ہوا ہے ان کے سوا انے انھیں مزید تفصیلات کا علم نہیں ہے اور یہ کہ میں آپ ہی کی طرح متحیر ہوں۔"

نئی دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ یہاں کے ناظرین انعقاد سے قبل مجوزہ مشترکہ کانفرنس کی ناکامی کو ہندوستان اور پاکستان کے مابین معاہدہ صلح کے شرائط کے متعلق بنیادی اختلافات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

باور کیا جاتا ہے کہ پاکستان اس بات پر بھی راضی نہیں تھا کہ آزاد کشمیر فوج کو غیر مسلح و غیر منظم کرنے کے مسئلہ کو بھی ایجنڈے میں شریک کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ کشمیر کمیشن کے صدر ڈاکٹر کوربل نے گزشتہ سال ماہ دسمبر میں پنڈت نہرو کے موسومہ اپنے مکتوب میں بتایا تھا کہ ان افواج کو وسیع پیمانے پر غیر مسلح کیا جانا ہوگا گو یہ ضروری نہیں ہے کہ انھیں ان علاقوں کا تخلیہ کرنے کے لئے کہا جائے کہ جہاں کہ وہ حقیقتاً بانشدے ہیں۔ ہندوستان جس دوسرے مسئلہ کو ایجنڈے میں شریک کرنے کا خواہاں تھا اور جس کی پاکستان نے مخالفت کی اس کا تعلق شمالی رقبہ جات کی مدافعت اور ان کے نظم و نسق سے ہے۔ ان شمالی رقبہ جات میں بالتستان، لداخ اور گلگت کے وہ بعض حصے شامل ہیں کہ جو پاکستانی فوج یا آزاد کشمیر فوج کے قبضہ میں نہیں ہیں البتہ جہاں حملہ آور جماعتیں وقتاً فوقتاً روانہ کی جاتی رہی ہیں۔ یہ علاقے میرپور، مظفرآباد اور اسی نوع کے اُن دیگر علاقوں سے مختلف ہیں جن پر پاکستان کا قبضہ ہے اور جس کا نظم و نسق پاکستان ہی کے تحت ہے۔

پنڈت نہرو اس مسئلہ کو پہلے ہی اٹھا چکے ہیں کہ یہ پہاڑی رقبہ جات حکومت جموں و کشمیر کو واپس حاصل ہونے چاہئیں اور یہ کہ ان کی مدافعت کا کام ہندوستانی حکومت کے تحت رہنا چاہئے۔ اس بات پر بھی زور دیا جا چکا ہے کہ ان رقبہ جات کے منتخبہ مقامات پر ہندوستان کو اپنے گیاریزنوں کو برقرار رکھنے کی آزادی حاصل رہنی چاہئے تاکہ وہ دشمنوں کو روک سکے اور ریاست سے وسطی ایشیا کو جانے والے تجارتی راستوں کی حفاظت کریں گے دونوں مقاصد کی تکمیل کر سکے۔

کمیشن اس خیال کا حامل تھا کہ ان نقاط پر مجوزہ صلح اور استصواب عامہ سے متعلق ۱۳ اگست کی قرارداد کو روبہ عمل لاتے وقت غور کیا جا سکے گا۔

"آئندہ کیا ہوگا" یہ وہ سوال جواب یہاں ہر فرد

کر رہے ہیں۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آئندہ اقدام کا دارومدار کمیشن ہی پر ہے۔ وہ یا تو صیانتی مجلس کے آگے رپورٹ پیش کرے گا یا مصالحت کے لئے مزید جدید تجاویز پیش کرے گا۔ پہلی صورت ہی زیادہ ممکن دکھائی دیتی ہے کیونکہ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مختلف نقاط پر کافی بحث ہو چکی ہے اور اس کے باوجود ابھی سمجھوتہ کی کوئی بنیاد دریافت نہیں کی جا سکتی۔

ایک عالمی حکومت کے قیام کا منصوبہ

کراچی ۲۲ اگست۔ مسٹر اور مسز ہیریس فورڈ جو ایک عالمی حکومت کے قیام کے متعلق عملی معلومات حاصل کرنے کے لئے دہلی پہونچے تھے آج سویڈن جاتے ہوئے کچھ عرصے کے لئے کراچی میں ٹھیرے۔ دارالحکومت پاکستان میں آپ دونوں بہت مصروف رہے۔

آج صبح ان دونوں ناظرین نے مسٹر تمیز الدین خان صدر مجلس دستور ساز پاکستان سے ملاقات کی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر تمیز الدین خان کو اس ماہ سویڈن میں منعقد ہونے والی عالمی وفاقی کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ امریکی مہمانوں نے مسٹر حاتم علوی ناظم اسٹیٹ بنک پاکستان سے بھی ملاقات کی۔ آج انھوں نے مسٹر اے۔ بی۔ اے حلیم معین امیر جامعہ سندھ کی طرف سے دی ہوئی دعوت میں شرکت کی اس میں پاکستانی طلباء اور اساتذہ کا معزز مہمانوں سے تعارف کرایا گیا۔ اس کے بعد مسٹر اور مسز فورڈ ایمسٹرڈم روانہ ہو گئے جہاں آپ طایا، کی عالمی وفاقی کانگریس کے اجلاس میں شرکت کریں گے۔

(ڈی۔ پ۔ انڈیا)

اعلان

محکمہ معتمدی امداد حکومت حیدرآباد واقع عمارت جہاں نما جیسا کہ سلسلہ اعلان محکمہ بذا نشان (۱۹۵۰) مورخہ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۵۰ء بذریعہ اخبار جملہ تجار کو اطلاع دیا جاتا ہے کہ بعض اجرائی دستاویز صادر و درخواستوں کی پیشکشی کی آخری تاریخ ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء مقرر کی گئی تھی۔ لیکن اس مدت کے منقضی ہونے کے باوجود متعدد درخواستیں مختلف وزارت سے پیش ہو رہی ہیں اس لئے پیشکشی درخواستوں کی مدت میں ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء تک توسیع کی جاتی ہے۔ فقط معتمد امداد

جامعہ عثمانیہ میں جانوروں کی پرورش اور علاج کی تعلیم

ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اور زراعت کی ترقی میں جانوروں کا حصہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے زیادہ غلہ اگاؤ والی مہم کو اچھے جانوروں کی پرورش کے مسئلہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ زراعت کی ترقی کے لئے اچھے اور کام کرنے والے جانور درکار ہیں اور جانوروں کو صحت مند اور کارکرد بنانے کے لئے علم بیطاری کے ماہرین کی خدمات کی ضرورت ہوتی ہے۔

جیسا کہ آنریبل مسٹر جے رام داس دولت رام نے فرمایا ہے ہماری زراعت پیشہ قوم کے لئے جانوروں کی بڑی اہمیت ہے اور عوام کے مفاد سے اس کا گہرا اور قریبی تعلق ہے۔

زراعتی جانوروں کی خدمت حقیقت میں قوم کی خدمت ہے۔ ملک میں جانوروں کے ڈاکٹروں کے بڑھتے ہوئے مطالبے اور خاص طور پر حیدرآباد کے محکمہ علاج حیوانات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے تین سال پہلے جامعہ عثمانیہ کے تحت ایک ویٹرنری کالج قائم کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۹۵۰ء کے تعلیمی سال کے دوران میں اس کالج کی سرگرمیاں پوری قوت کے ساتھ جاری رہیں گی۔ اس کالج کا چوتھا سال ہے اور آخری جماعت حال ہی میں کھلی ہے۔ مارچ سنہ ۱۹۵۱ء میں اس کالج کے گریجویٹوں کی پہلی کھیپ نکلے گی۔

اس کالج میں ایسے طلبہ داخلہ پا سکتے ہیں جنہوں نے سائنس اور حیاتیات کے ساتھ امتحان انٹرمیڈیٹ میں کامیابی حاصل کی ہو۔ اس کالج کا نصاب بہت وسیع اور جانوروں کی پرورش اور دیکھ بھال کے اصولوں پر حاوی ہے تاکہ ملک کی فوری ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ ہر سال کے ختم پر کالج کے نصاب کے تحت جملہ مضامین میں جامعی امتحان لیا جاتا ہے نظری اور عملی نصاب کے علاوہ گرمائی تعطیلات میں مزید تربیت بھی دی جاتی ہے۔

محکمہ علاج حیوانات کی جانب سے مستحق ملکی طلبہ کو ہر سال ۲۵ اور ۵۰ روپیے کے بیس وظیفے عطا کئے جاتے ہیں نیز سالانہ ایک سو روپیے کے حساب سے ان کی تعلیمی فیس بھی برداشت کی جاتی ہے۔ اس فن کی اہمیت اور قدر و قیمت کو محسوس کرتے ہوئے حکومت نے ویٹرنری گریجویٹوں کے لئے ابتدائی گریڈ (۲۰۰ - ۱۵۰) روپیے مقرر کیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ فوج کے محکمہ علاج حیوانات میں ویٹرنری گریجویٹوں کو ۶۰۰ - ۲۳۰ روپیے کا گریڈ دیا جاتا ہے۔ مزید تفصیلات پرنسپل صاحب کالج بیطاری جامعہ عثمانیہ اڈیکمیٹ حیدرآباد دکن سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن ہندوستانی وفد کی قیادت کریں گے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱)

توقع ہے کہ یہ کانفرنس ڈاکٹر رچارڈ ... سائنس ... تعلیم کے تعلق سے کسی بھی ملک سے کے فرائض پر بحث و مباحثہ ہوگا تاکہ اقوام ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکیں۔ یہ کانفرنس ایسی تدابیر بھی سوچے گی جن کی مدد سے یہ فرائض انجام پا سکیں گے۔

اقوام متحدہ اور خصوصی انجمنوں نے پس افتادہ ممالک کو فنی امداد دینے کے بارے میں جو متحدہ پلان بنایا ہے اس کو اقوام متحدہ کے تعلیمی، سماجی اور کلچرل ادارہ نے کس حد تک آگے بڑھایا، یہ کانفرنس اس کی بھی چھان بین کرے گی اور ان ممالک کی معاشی ترقی کے لئے ایک خاص پروگرام مرتب و تیار کرے گی۔ اس کانفرنس کے ذرائع میں یونیسکو کے انتظامی و مالیاتی امور اور اس کے خارجی تعلقات کی جانچ پڑتال کرنے کا کام بھی داخل ہے۔ ڈائرکٹر جنرل یونیسکو نے اپنے سنہ ۱۹۵۰ء کے پروگرام کو روبہ عمل لانے میں کس حد تک ترقی کی ہے اس پر بھی کانفرنس غور و خوض کرے گی۔

ہندوستانی وفد میں ڈاکٹر تارا چند معتمد وزارت تعلیمات و نائب قائد، ڈاکٹر جے سی گھوش ڈائرکٹر جنرل صنعت و سیادی دکن، مسٹر بی این کرپال نائب معتمد وزارت تعلیمات، مسٹر ہمسٹری کے چند دوست نائب مشیر تعلیمات و فنی مشیر دفتر ہوں گے۔ مسٹر پی بی این کرپال معتمد وفد کے بھی فرائض انجام دیں گے۔

امی پیرون کے الزامات

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول کالم ۳)

سفارتی حملہ پھر سے کیوں شروع کیا؟

پہلے کی طرح اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ روس حکومت کے اندرونی حلقہ میں دو متضاد عنصر موجود ہیں۔ ایک حلقہ تو یہ ہے جو سرد جنگ کا خاتمہ چاہتا ہے۔ دوسرا حلقہ وہ ہے جو ایسے حملوں کو از سر نو شروع کرنا چاہتا ہے۔ برلن میں یہ حلقہ اپنا کام کر رہا ہے اور تیر ہیں سمجھتا کہ ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس وقت تو دوسرا حلقہ کامیاب رہا ہے اس نے سفارتی حملہ از سر نو شروع کرنے کیلئے مارشل اسٹالن کی ایک کمزوری کا فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اٹلانٹک معاہدہ کو اپنی شکست سمجھتا ہے اور اس کا اجازت سے بننا کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ ڈکٹیٹر شپ سب برداشت کر لیتی ہے۔ لیکن ڈکٹیٹروں کے آس پاس بیٹھے والا ان کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مطبوعہ ... پریس میں طبع ہو کر دفتر ملت سے شائع ہوا